مولانا حمید الدین فراہیؒ کے تفردات اور ان کا تنقیدی جائزہ

نذیر احمد بھٹی*
پروفیسر ڈاکٹر ثناء اللہ بھٹو**

Abstract

Moulana Hameed-ud-Din Farahi is a leading interpreter of the Holy Quran.The principles of the interpretation of the holy Quran,he adopted, are different than that of his predecessors.Moulana Hamid-ud-Din Farahi gave very importance to the concept of coherence of the Quran(Nazm-e-Quran).The centeral theme of surah is called "Amood" by him.According to Moulana Farahi, Surah Lahab was not revealed in responce of Abu Lahab, but it was the forcast of the conquest of Makkah,while the general elaborates declared that the Surah was revealed in responce of Abu Lahab's Blasphemy of the Holy Prophet(SAW).According to Moulana Farahi, Hazrat Musa (A.S) was escaped by the fatal wind while Pharoah and his troops were destroyed by soft wind,while according to general commentators Hazrat Musa (A.S) smote with his followers on water and there were twelve ways, the desendents of Israel crossed the river and his troops were destroyed by the same water.In Sura Al-Feel, according to Farahi, The Abraha and his troops were destroyed by the Qureshi troops, while according to general interpreters, they were destroyed by the small birds called Ababeel.This paper is an evaluation of the individual point of view of Hamid-ud-Din Farahi in detail.

* ایسوسی ایٹ پروفیسر (ریٹائرڈ)، گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور

** سابق ڈین شعبہ اسلامک کلچر، یونیورسٹی آف سندھ، جامشورو

مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اپنی تفاسیر میں جن اُصولوں کو بنیاد بنایا ہے۔ ان میں سے ایک "نظم قرآن" بھی ہے۔ وہ تفسیر کرتے وقت سورۃ یا آیت کا ما قبل و مابعد بھی مد نظر رکھتے ہیں اور ان کے درمیان ایک معنوی ربط کی مناسبت قائم کر دیتے ہیں، جس کو وہ سورۃ کا مرکزی مضمون یا عمود سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی اس انداز میں کی گئی تفسیر قرآن فہمی کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور علم تفسیر میں بحث و نظر کے نئے دروازے کھلتے ہیں۔ مگر مولانا نے بعض مقامات پر ان اُصولوں کی بنیاد پر ایسی تفسیر کر ڈالی ہے جو جمہور مفسرین کی رائے اور تفسیر سے ہٹ کر منفرد ہے۔ ذیل میں چند مثالیں ذکر کرتے ہیں، جن میں مولانا حمید الدین فراہیؒ نے منفرد تفسیر کی ہے۔

سورۃ اللّھب کی تفسیر:

مولانا فراہیؒ سورۃ اللھب کو ابولہب کے خلاف بد دعا نہیں بلکہ فتح مکہ کی بشارت قرار دیتے ہیں جب کہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ابولہب کے قول: "تبّا لک یا محمد "کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو بد دعا دی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہی کلمات کے ساتھ وہ بد دعا ابولہب پر بطور عتاب نازل فرمادی۔

مولانا فراہیؒ نے سورۃ اللھب کو ابولہب کے خلاف بد دعا نہیں بلکہ فتح مکہ کی بشارت قرار دیا ہے۔ انہوں نے یہ رائے نظم قرآن کے اُصول پر قائم کی ہے وہ اپنی کتاب "مجموعہ تفاسیر فراہیؒ" میں ما قبل و مابعد سورتوں کا نظم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "سورۃ النصر کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے جس طرح آنحضرت ﷺ کی بعثت فتح مکہ پر تمام کی اسی طرح آپ کے صحیفہ نبوت کو اس فتح عظیم کے ذکر پر ختم کیا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ حق اپنے مرکز پر پہنچ گیا۔ کیونکہ کعبہ کے مرکز توحید و اسلام ہونے کی وجہ سے فتح مکہ ہی آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مرکز تھی۔ اس کے بعد صرف اثبات اور استقامت کی ضرورت تھی، اس کے لیے تین سورتیں اس کے بعد لگا دی گئیں، سورہ اخلاص، جو تمام معارفِ توحید کا خزانہ ہے، یہ واضح کرنے کے لیے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کی غایت توحید ہے اور دونوں معوذتین دعائے استقامت کی تلقین کے لیے۔"

اس ربط کی ایک لطیف مثال اس آیت میں بھی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (سورۃ فصلت 30:41)

> "جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے، ان پر ملائکہ یہ بشارت لے کر اترتے ہیں کہ نہ خوف کرو نہ غم اور تمہارے لیے اس بہشت کی خوشخبری ہے جس کا وعدہ کیے جاتے رہے ہو۔"

اس تمہید سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ تمام سورتیں (سورۂ نصر، سورۂ اخلاص اور معوذ تین) باہم و مربوط ہیں۔ اس وجہ سے سورۂ لہب کا ان کے درمیان رکھا جانا کسی خاص سبب و حکمت ہی پر مبنی ہو سکتا ہے، ورنہ پورا سلسلہ نظم درہم برہم ہو جائے گا۔ چنانچہ غور و فکر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ نصر میں جس فتح و غلبہ کا ذکر ہے، سورۂ لہب میں اسی فتح و غلبہ کی وضاحت اور بشارت ہے گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو غلبہ دیا اور اس کے دشمن کو برباد کیا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَہَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَہُوْقًا۝ (سورۃ بنی اسرائیل 81:17)

''کہہ دیجئے! حق نمودار ہوا اور باطل مٹ گیا بلاشبہ باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔''

اس قسم کے نظم کی نہایت لطیف مثال آنحضرت ﷺ کے اس خطبہ میں بھی ہے جو آپ نے فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کے دروازے پر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا :

لَا إِلٰه إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ صَدَقَ وَعَدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔

''خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور یکتا و تنہا دشمنوں کی جماعتوں کو شکست دی۔''

بظاہر یہ تین الگ الگ فقرے ہیں، لیکن ایک صاحب نظر کے لیے ان تینوں جملوں کے اندر علی الترتیب تین سورتوں کے مضامین پنہاں ہیں، پہلا فقرہ **لَا إِلٰه إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ** سورہ کافرون کا ہم مضمون ہے۔ دوسرا جملہ **وَحْدَهُ صَدَقَ وَعَدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ** سورۂ نصر کے ہم معنی ہے۔ تیسرا جملہ **وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ** اور سورۂ لہب ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں پس جس طرح یہ تینوں فقرے ایک صاحب نظر کے لیے بالکل مربوط و منظم ہیں، اسی طرح جو لوگ ان تمام سورتوں کے مضامین پر غور کریں گے وہ ان سب کو ایک ہی زنجیر کی بالکل مربوط کڑیوں کی شکل میں پائیں گے۔ (1)

جمہور مفسرین کا موقف :

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت ابتدائے بعثت کے موقع پر نازل ہوئی ہے جب نبی کریم ﷺ نے قبائل قریش کو صفا پہاڑی پر بلا کر توحید کا پیغام دیا تو ابو لہب نے کہا: **تَبّا لک ألهذا جمعتنا** تو اللہ نے نبی کریم ﷺ کا غم ہلکا کرنے کے لیے اس کے جواب میں یہ سورت نازل فرمائی، جس میں ابو لہب کی سخت کلامی کی مذمت کی گئی ہے۔ بطور نمونہ چند معروف تفاسیر ملاحظہ فرمائیں۔

امام طبری اس سورۃ مبارکہ کے شانِ نزول میں متعدد روایات نقل کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ :

سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور قریش مکہ کو پکارا۔ جب قریش کے لوگ جمع ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> ''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ تمہارا دشمن صبح یا شام کو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں''

تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> 'میں تمہیں اس سے بھی سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ کہہ دو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کامیاب ہو جاؤ گے۔ عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے۔''

یہ سن کر ابو لہب بولا:

تَبّا لک ألهذا دعوتنا و جمعتنا۔

''تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے اس لیے ہمیں بلایا تھا اور جمع کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابو لہب کے جواب میں یہ سورت(تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ)نازل فرمادی۔''[2]

گویا کہ امام طبری کے نزدیک یہ سورت ابو لہب کے جواب اور مذمت میں اُتری ہے اور یہ اس کے خلاف بددعا ہے۔

امام بغوی(۵۱۰ھ)اس سورت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

> ''سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے اور یا صباحاہ (عرب یہ کلمہ خطرہ کے وقت پکارتے تھے تاکہ سب لوگ متنبہ ہو جائیں) کہا۔ چنانچہ قریش والے آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ تمہارا دشمن صبح یا شام کو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا ماننے والے ہو؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! تب آپ نے فرمایا: میں تمہیں آخرت کے شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ یہ سن کر ابو لہب بولا: **تبّا لک ألهذا جمعتنا** چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورۃ(تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ)نازل فرمادی۔''[3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بغوی کے نزدیک بھی یہ سورۃ ابو لہب کے خلاف بددعا اور اس کی سخت کلامی کا جواب ہے۔ جار اللہ زمخشری اس سورت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

جب سورۃ شعراء کی آیت مبارکہ وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ نازل ہوئی کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں تو نبی کریم ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر (یاصباحاہ) کی آواز لگائی۔ جب ہر طرف سے لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَا بَنِيْ فِهْرٍ! إنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ بِسَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ خَيْلًا أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟

"اے ابو عبد المطلب! اے بنو فہر! اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر (چھپا ہوا) ہے تو کیا تم میری تصدیق کرنے والے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! تب آپ نے فرمایا: میں تمہیں قیامت سے ڈرانے والا ہوں۔ یہ سن کر ابو لہب بولا: تَبّا لک ألهذا دعوتنا چنانچہ ابولہب کے جواب میں یہ سورت نازل ہو گئی۔"[4]

امام رازی اس سورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دن کے وقت ابولہب کو اسلام کی دعوت دی، مگر اس نے انکار کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نوحؑ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے رات کو دوبارہ ابولہب کے گھر گئے جب آپ اس کے گھر میں داخل ہوئے تو اس نے کہا: کیا آپ معذرت کرنے آئے ہیں؟ نبی کریم ﷺ محتاج کی مانند سامنے بیٹھ گئے اور اسے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے کہا: اگر دن کو تجھے عار نے اسلام سے روکا تھا تو اب اس وقت میری دعوت کو قبول کر لے اور خاموش رہ۔ ابولہب نے کہا: میں اس وقت تک تجھ پر ایمان نہ لاؤں گا جب تک یہ جدی تجھ پر ایمان نہ لائے۔ نبی کریم ﷺ نے جدی سے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: اللہ کے رسولؐ! نیز اس نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنا شروع کر دی۔ جس پر ابولہب پر حسد غالب آگیا، اس نے جدی کا ہاتھ پکڑا اور اسے زور سے مروڑا اور تَبّا لک أثر فيك السّحر تو جدی نے بھی آگے سے کہا: بل تبّالک چنانچہ اسی کے موافق یہ سورۃ نازل ہوئی۔"[5]

تفسیر رازی میں اگرچہ قصہ مختلف ہے مگر اس میں بھی ابولہب کی مذمت اور اس کے خلاف بددعا کا ہی تذکرہ ہے۔

تفسیر سورۂ عبس :

مولانا فراہیؒ سورۃ عبس کی تفسیر میں جمہور سے ہٹ کر اس امر کے انکاری ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نابینا صحابی سیدنا عبد اللہ بن اُم مکتومؓ سے اعراض کرنے پر نبی کریم ﷺ پر عتاب کیا ہے۔ نیز وہ اس بات کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ مذکورہ صحابی آپ سے کچھ سیکھنے کے لیے آئے تھے اور جن روایات میں (**علمنی مما علمک الله**) کے الفاظ ہیں وہ ایسی روایات کو یکسر مسترد کر دیتے ہیں۔ جب کہ جمہور مفسرین کے نزدیک اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عتاب کیا ہے اور متعدد روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم تعلیم حاصل کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ نیز ان کا تعلیم حاصل کرنے کے لیے آنا یا ویسے ہی آنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل تنبیہ تو اس امر پر نازل ہوئی ہے کہ آپ نے اس سے اعراض کرتے ہوئے کفار کو ترجیح دی کہ شاید وہ اسلام قبول کر لیں۔

مولانا فراہیؒ کا موقف :

مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نزدیک سورۂ عبس میں نبی کریم ﷺ کی بجائے، کفار کو عتاب ہے۔ نیز سید عبد اللہ بن اُم مکتومؓ کچھ سیکھنے کے لیے نہیں آئے تھے۔ بلکہ ویسے ہی چلے آئے تھے اور یہاں اللہ تعالیٰ کے عتاب کا رخ کفار کی طرف ہی ہے اور نبی کریم ﷺ کو تبلیغ و دعوت میں اصرار کی اس حد سے روکا ہے جو آپ کے منصب کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اور گو کلام کا ظاہر اسلوب تنبیہ و عتاب کا ہے لیکن درحقیقت ان تمام مواقع میں جہاں آنحضرت ﷺ کو منکرین سے اعراض کا حکم دیا جاتا ہے، غصہ و عتاب کا اصلی رخ پیغمبر ﷺ کے بجائے منکرین ہی کی طرف ہوتا ہے اور یہ اتمام دعوت کا ایک نہایت معروف اسلوب ہے جس سے اہل نظر ناواقف نہیں ہو سکتے۔ (6)

جمہور مفسرین کا موقف:

جمہور مفسرین کے نزدیک سورۂ عبس میں نبی کریم ﷺ پر عتاب ہے کیونکہ آپ نے سیدنا عبد اللہ بن اُم مکتومؓ کو نظر انداز کرتے ہوئے کفار کو ترجیح دی تھی اس سلسلے میں جمہور مفسرین کی تفاسیر درج ذیل ہیں :

1- امام طبری سورۃ عبس کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

> "جس نابینا صحابی کا تذکرہ اس آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے وہ ابن اُم مکتومؓ ہیں جن کے سبب نبی کریم ﷺ کو عتاب کیا گیا۔"

اس کے بعد امام طبریؒ نے اس سورۃ کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے متعدد روایات نقل کی ہیں :

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سورۃ عبس سیدنا عبد اللہ بن ام مکتومؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے اَرشدنی کہ آپ میری راہنمائی فرمائیں اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مشرک سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابن اُم مکتومؓ سے اعراض کرتے ہوئے ان سرداروں کے ساتھ گفتگو کو ترجیح دی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ نازل کر دیا۔ (7)

امام رازی اس سورۃ کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں :

اس سورۂ مبارکہ میں نابینا سے مراد سیدنا عبد اللہ بن ام مکتومؓ ہیں۔ جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کفارِ مکہ کے سرداروں عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، عباس بن عبد المطلب، ابی بن خلف اور اس کے بھائی اُمیہ بن خلف سے گفتگو کر رہے تھے۔ انہیں اللہ کی طرف بلا رہے تھے اور اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ سیدنا عبد اللہ بن اُم مکتومؓ آئے اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! **أقرئني وعلمني مما علملك الله** کہ مجھے پڑھائیں اور جو کچھ تجھے اللہ نے سکھلایا ہے، مجھے بھی سکھلائیں۔ وہ بار بار یہ کلمات کہہ رہے تھے اور انہیں معلوم نہیں تھا کہ نبی کریم ﷺ

کسی اور کی طرف متوجہ ہیں۔ ان کے اس رویے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے چہرے پر کچھ ناپسندیدگی ظاہر ہونے لگی۔ آپ نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ سردار کہیں گے کہ محمد ﷺ کے پیروکار اندھے، غلام اور گھٹیا لوگ ہیں۔ چنانچہ آپ نے تیوری چڑھا کر ان سے منہ موڑ لیا اور ان سرداروں کے ساتھ گفتگو کرنے لگے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات مبارکہ نازل فرمادیں۔ ان آیات کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ ان سے انتہائی عزت و احترام سے ملتے اور جب بھی ان کو دیکھتے تو کہتے (مرحبا بمن عاتبنی فیه ربی) کہ خوش آمدید، ایسی شخص کو، جس کی وجہ سے میرے رب نے مجھ پر عتاب نازل کیا۔ اور ان سے پوچھتے رہتے تھے (هل من حاجة) کہ کیا کوئی حاجت ہے؟ نبی کریم ﷺ نے دو مرتبہ ان کو مدینہ پر نگران مقرر کیا۔ (8)

تفسیر سورۃ الذاریات

مؤقف فراہیؒ

مولانا حمید الدین فراہیؒ تفسیر قرآن میں نظم قرآن (جس کو وہ عمود کا نام دیتے ہیں) کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اسی اصول کے تحت سورہ ذاریات کا ایک عمود قائم کیا ہے اور اس میں ہواؤں کے ذریعے جزا و سزا کے کردار پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ان کے نزدیک ہواؤں کے تصرفات اور ان کے فرق و امتیازی نیرنگیاں عجیب و غریب ہیں۔ ایک قوم کے ساتھ ان کا معاملہ کچھ اور ہوتا ہے۔ دوسری قوم کے ساتھ کچھ اور۔ کسی قوم کے لیے یہ ابر کرم کی بشارت بن کر نمودار ہوتی ہے کسی قوم کے لیے طوفان عذاب بن کر۔ (9)

ہواؤں کے کردار پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا فراہیؒ لکھتے ہیں :

''ہواؤں اور بادلوں کے تصرفات عجیب و غریب صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کبھی ہوائیں اُٹھتی ہیں، بوجھل بادلوں کی مشکیں اپنی پیٹھوں پر لادتی ہیں اور ان کو چٹیل میدانوں میں لے جا کر جل تھل کر دیتی ہیں۔ کبھی سمندروں میں سامان سے بھری ہوئی کشتیوں کو کھیتی ہیں جن سے تجارت و معیشت کے لیے بے شمار فوائد ظہور میں آتے ہیں، کبھی ریگستانوں سے حاصب بن کر ابھرتی ہیں اور آباد بستیوں کو ریت اور پتھروں سے ڈھانک دیتی ہیں کبھی مرمر بن کر اولے اور کڑک کے عذاب کی شکل میں نمودار ہوتی ہے، کبھی طوفان بن کر سیلاب انگیز بارشیں لاتی ہیں اور سمندروں میں ہیجان پیدا کر دیتی ہیں۔ ہواؤں اور بادلوں کی یہی مختلف حالتیں ہیں جن کو قرآن نے ''تقسیم اَمر'' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور اس کے اختیار و تصرف کی ایک عجیب شان ہے کہ وہ کبھی ہوا کی تندی اور شدت کو ایک قوم کے لیے نجات کا ذریعہ بنا دیتا ہے اور کبھی اس کی نرمی اور اس کے سکون کو تباہ کر دیتا ہے۔ اس کی بہترین شہادت فرعون اور اس کے لشکر کی سرگزشتہ میں موجود ہے۔ (10)

قومِ نوح کی تباہی تند ہوا کے ذریعہ سے واقع ہوئی :

مولانا قوم نوح کی تباہی میں ہواؤں کے کردار پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"جس طرح دوسری قوموں کو اللہ تعالیٰ نے عذاب میں پکڑا اسی طرح نوحؑ کی قوم کو بھی عذاب میں پکڑا۔ لیکن قرآن اور تورات میں ان کی تباہی سے متعلق جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں ان پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان کی تباہی میں بھی اصل دخل ہوا کے تصرفات ہی کو رہاہے۔ چنانچہ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہے :

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْہِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَہُمُ الطُّوْفَانُ وَہُمْ ظٰلِمُوْنَ○ (سورۃ العنکبوت 14:29)

"اور ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے اندر پچاس سال کم ایک ہزار سال رہا۔ پس ان کو پکڑا طوفان نے اور وہ ظالم تھے۔"

اس میں طوفان کا لفظ خاص طور پر لائق غور ہے۔ طوفان کے لغوی معنی دوران یعنی گردش کرنے اور چکر کھانے کے ہیں۔ عام استعمال میں اہل عرب اس سے وہ تند ہوا مراد لیتے ہیں جو تیزی سے چکر کھاتی ہوئی اُٹھتی ہے۔ (11)

جمہور مفسرین کا مؤقف :

جمہور مفسرین کے نزدیک قوم نوح پر سیلاب اور طوفان کا عذاب آیا اور یہ پانی تنور سے پھوٹنے لگا۔ اب تنور کی وضاحت میں مفسرین سے مختلف اقوال ثابت ہیں کہ تنور سے مراد حقیقی روٹیاں پکانے والا تنور ہے یا اس سے سطح زمین مراد ہے یا اس سے بلند مقامات مراد ہیں یا اس سے صبح کا پھوٹنا مراد ہے۔ بہر حال جمہور مفسرین میں سے کسی نے بھی وہ تفسیر بیان نہیں کی جو مولانا فراہیؒ نے بیان کی ہے اور اس میں ہواؤں کے کردار کے بارے میں بحث کی ہے۔ وہ اپنی اس تفسیر میں منفرد ہیں اور یہ ان کے تفردات میں سے ہے۔

1- امام طبری قوم نوح پر نزول عذاب کے بارے میں لکھتے ہیں :

عن ابن عباس أنه قال قال فی قوله (وَفَارَ التُّنُّوْرُ) قال: (التنور) وجه الأرض قال: قيل له: إذا رأيت الماء على وجه الأرض فاركب أنت ومن معك۔

"ابن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول (وَفَارَ التُّنُّوْرُ) میں (التنور) سے مراد سطح زمین ہے۔ یعنی نوحؑ کو کہا گیا ہے کہ آپ سطح زمین پر پانی دیکھیں تو آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں سوار ہو جائیں۔"(12)

امام رازی قوم نوح پر نزولِ عذاب کے بارے میں لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کا فرمان: (وَفَارَ التَّنُّوْرُ) اس سے روٹیاں پکانے والا تنور مراد ہے۔ یہ مفسرین کی ایک بڑی جماعت کا قول ہے جیسے ابن عباس، حسن اور مجاہد وغیرہ، اب ان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ یہ حضرت نوحؑ کا تنور تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت آدمؑ کا تنور تھا۔ بعض نے کہا کہ پتھر سے بنا ہوا اماں حوا کا تنور تھا جو حضرت نوحؑ کو منتقل ہوا تھا۔ اسی طرح انہوں نے اس کے مقام کے بارے میں بھی اختلاف کیا ہے۔ (13)

فرعون اور اس کی قوم کی تباہی "پروا" ہوا سے ہوئی

مولانا فراہیؒ قومِ نوح پر عذاب کی طرحِ فرعون اور اس کی قوم کی تباہی میں بھی ہوا کے کردار پر ہی بحث کرتے ہیں کہ فرعون اور اس کی قوم کی تباہی "پروا" ہوا سے ہوئی تھی چنانچہ وہ اپنے اس موٴقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اس واقعہ میں ہوا کے عجیب و غریب تصرفات کو جو داخل ہے اور جس کی طرف قرآن نے صرف سرسری اشارہ کیا ہے، تورات نے اس کی بھی تفصیل کی ہے :

سفر خروج 14/21 میں واقعہ کی نوعیت یہ بیان کی گئی ہے :

''پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر پوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنادیا اور پانی دو حصہ ہو گیا۔''

یہ پوربی آندھی رات بھر چلتی رہی اور صبح کو تھم گئی ہوا کے زور نے سمندر کا پانی مغرب کی طرف خلیج سویز میں ڈال دیا اور مشرقی خلیج، خلیج عقبہ کو بالکل خشک چھوڑ دیا پھر جب آندھی تھم گئی تو پانی اپنی جگہ پر پھیل گیا اور موسیٰؑ کا تعاقب کرنے والی جماعت غرق ہو گئی۔ اس کی تصدیق قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ سورہ دخان میں ہے :

''پس میرے بندوں کو رات کے وقت نکال لے جاؤ تمہارا تعاقب کیا جائے گا اور سمندر کو ساکن چھوڑ دو۔ بے شک وہ غرق ہونے والی فوج ہے۔''(سورۃ الدخان 23:24)

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا میں ''**رھو**'' کے معنی سکون کے ہیں اور دریا کا سکون ظاہر ہے کہ ہوا کے سکون سے ہوتا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے :

''اور ہم نے موسیٰؑ کو وحی کی کہ میرے بندوں کو شب میں نکال لے جاؤ اور ان کے لیے راہ نکالو سمندر میں خشک نہ تم کو نہ پکڑے جانے کا خوف ہو گا اور نہ ڈوبنے کا اندیشہ تو فرعون نے اپنی فوجوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، پس سمندر میں سے ان کے اوپر چھا گئی جو چیز چھا گئی۔''(سورۃ طٰہٰ 77:78)

سفر خروج 15/10 میں حضرت موسیٰؑ کا ترانہ حمد یوں نقل ہوا ہے :

"تونے اپنی آندھی کی پھونک ماری تو سمندر نے ان کو چھپالیا۔"

تثنیہ 11/4 میں ہے:

"اور اس نے مصر کے لشکر اور ان کے گھوڑوں اور رتھوں کا کیا حال کیا اور کیسے اس نے بحر قلزم کے پانی میں ان کو غرق کیا جب وہ تمہارا پیچھا کر رہے تھے اور خداوند نے ان کو کیسا ہلاک کیا کہ آج کے دن تک وہ نابود ہیں۔"

خلاصہ اس ساری تفصیل کا یہ نکلا کہ حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے تند ہوا کے ذریعہ سے نجات بخشی اور فرعون اور اس کی فوجوں کو نرم ہوا کے ذریعہ سے ہلاک کر دیا یعنی رحمت اور عذاب دونوں کے کرشمے ہوا ہی کے عجیب و غریب تصرفات کے ذریعہ سے ظاہر ہوئے۔ (14)

جمہور مفسرین کا موٴقف:

جمہور مفسرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب موسیٰؑ نے سمندر پر عصا مارا تو سمندر کا پانی وہیں اپنی جگہ پر رک گیا اور پہاڑوں کی شکل میں کھڑا ہو گیا۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ راستے بن گئے۔ پھر بنی اسرائیل کی فرمائش پر ان راستوں کے درمیان روشن دان بھی بنا دیے گئے تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے گزر جائیں۔ پھر جب فرعون اور اس کا لشکر سمندر میں داخل ہوئے تو اللہ کے حکم سے سمندر کا پانی دوبارہ رواں دواں اور جاری و ساری ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہو گیا۔ اس سلسلے میں فراہیؒ صاحب نے جو ہواؤں کے کردار پر گفتگو کی ہے، وہ کسی مفسر نے نہیں کی، یہ انہی کی انفرادیت اور تفرد ہے کہ ہواؤں نے سمندر کے پانی کو خشک کر دیا تھا اور خلیج میں جا پھینکا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پانی خشک ہو گیا تھا تو كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ کے کیا معنی ہوں گے؟ نیز ان کے راستوں میں اللہ نے دیکھنے کے لیے جو روشن دان بنائے تھے ان کی کیا ضرورت تھی؟

1- امام طبری لکھتے ہیں:

"عمرو بن میمون الاودی اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر نکل کھڑے ہوئے تو فرعون کو اس کی خبر پہنچ گئی۔ چنانچہ اس نے لشکر کے ساتھ موسیٰؑ کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھا تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہم پکڑے گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی کہ اپنی لاٹھی کو سمندر پر ماریں۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی سمندر پر ماری تو سمندر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ہر ٹکڑا ایک بڑے پہاڑ کی مانند تھا۔ موسیٰؑ اور آپ کے ساتھی سکون کے ساتھ گزر گئے۔ فرعون اور اس کے لشکر نے بھی سمندر سے گزرنے تک کہ جب وہ سارے کے

سارے سمندر میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو ان پر رواں کر دیا اور وہ سب غرق ہو گئے۔ اس حال میں کہ بنی اسرائیل دیکھ رہے تھے۔"[15]

امام بغوی نقل فرماتے ہیں کہ :

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر ماریں۔ انہوں نے لاٹھی کو سمندر پر مارا۔ سمندر نے بات نہ مانی۔ اللہ نے پھر وحی کی کہ اس کی کنیت سے پکار کر لاٹھی مار۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر لاٹھی ماری اور کہا: اے ابو خالد! اللہ کے حکم سے پھٹ جا۔ سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے پہاڑ کی مانند تھے۔ اس میں بارہ راستے بن گئے۔ ہر قبیلے کے لیے ایک راستہ **"وارتفع الماء بين كل طريقين كالجبل"** اور ہر دو راستوں کے درمیان پانی پہاڑ کی مانند پانی تھا اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خدشہ ظاہر کیا اور ہر قبیلے نے کہا کہ ہمارے بھائی تباہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے پانی کے ان پہاڑوں کی طرف وحی کی کہ کھڑکیاں بنا دی جائیں۔ چنانچہ پانی کے ان پہاڑوں کے درمیان کھڑکیاں بنا دی گئیں۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور ایک دوسرے کی آوازیں سن رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سمندر عبور کر لیا۔ اللہ کے اس قول وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ سے یہی مراد ہے فَأَنْجَيْنَاكُمْ یعنی ہم نے تمہیں فرعون اور غرق دونوں سے نجات دی۔ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ جب فرعون سمندر کنارے پہنچا تو کہنے لگا۔ دیکھو! سمندر میری ہیبت سے پھٹ گیا ہے اور میرے بھگوڑے غلام اس میں ڈوب گئے ہیں۔ اس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ سمندر میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن انہوں نے سمندر میں داخل ہونے سے خوف کھایا۔ کہا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: اگر تو رب ہے تو موسیٰؑ کی طرح تو بھی سمندر میں داخل ہو جا۔ فرعون سیاہ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا اور فرعون کے لشکر میں ایک بھی مونث گھوڑی نہ تھی۔ چنانچہ جبرئیلؑ ایک مونث گھوڑی پر سوار ہو کر آئے جو مذکر گھوڑے کی خواہش مند تھی۔ اور ان کے آگے چلنا شروع کر دیا۔ جب فرعون کے گھوڑے نے اس گھوڑی کی خوشبو سونگھی تو وہ بھی اس کے پیچھے سمندر میں کود پڑا۔ وہ جبریلؑ کو نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ فرعون کا کسی شے پر اختیار نہ رہا۔ فرعون کے پیچھے پورا لشکر سمندر میں اڈ پڑا اور میکائیلؑ قوم کے پیچھے ہو گئے جو انہیں جلدی جلدی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ملنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ جب وہ سارے سمندر میں گھس گئے اور جبرئیلؑ سمندر سے نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ ان تمام کو پکڑ لے۔ چنانچہ سمندر ان پر رواں ہو گیا اور وہ سب کے سب غرق ہو گئے اور سمندر کے دونوں کناروں کے درمیان چار فرسخ کا فاصلہ تھا اور یہ بحیرہ قلزم ہے۔[16]

قومِ لوط کی ہلاکت غبار انگیز ہوا کے ذریعہ سے ہوئی :

قوم لوط پر عذاب کے حوالے سے مولانا فراہیؒ کا موٴقف ہے کہ ان کی تباہی بھی ہوا کے ذریعے سے ہی ہوئی ہے۔ ان پر تیز آندھی چلی جس سے ان کے مکانات کی چھتیں زمین کے برابر ہو گئیں اور اوپر سے کنکریاں اور ریت نے ان کو ڈھانپ لیا، وہ اپنی کتاب مجموعہ تفاسیر میں رقم طراز ہیں :

قوم لوط پر اللہ تعالیٰ نے غبار انگیز ہوا بھیجی جو سخت ہو کر بالآخر حاصب (کنکر پتھر برسانے والا تند ہوا) بن گئی۔ اس سے اول تو ان کے اوپر کنکروں اور پتھروں کی بارش ہوئی۔ پھر انہوں نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ اس کے زور سے ان کے مکانات بھی اُلٹ گئے۔ چنانچہ انہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا(سورۃ العنکبوت40:29)

''ان میں سے بعض قوموں پر ہم نے کنکر پتھر برسانے والا آندھی بھیجی۔ ''

نیز فرمایا :

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ (سورۃ ھود11:82)

''پس ہم نے اس بستی کو تلپٹ کر دیا اور ان کے اوپر تہ بہ تہ سنگ گل کے پتھروں کی بارش کی۔ ''

یعنی ایسی تند ہوائیں چلیں کہ ان کے مکانات اور چھتیں سب زمین کے برابر ہو گئیں اور اوپر سے کنکریوں سے ریت نے ان کو ڈھانپ لیا۔ (17)

جمہور مفسرین کا مؤقف :

جمہور مفسرین کے نزدیک قومِ طول کی بستی کو جبریلؑ نے جڑ سے اُکھاڑ کر اپنے پروں پر اُٹھا لیا اور آسمان تک بلند کر دیا۔ یہاں تک اہل آسمان نے اس بستی کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ پھر وہاں سے نیچے اُلٹ دیا گیا اور ان پر نشان زدہ پتھروں کی بارش برسائی گئی جس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ اس میں ہوا کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

ا۔ امام طبری قومِ لوط پر عذاب کے بارے میں سورۂ ھود کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

ان کی بستی (جس کا نام سدوم تھا) کو فرشتوں نے اُلٹ دیا تھا۔ جیسا کہ امام مجاہد سے مروی ہے :

أخذ جبريل عليه السلام قوم لوط من سرحهم ودورهم، حملهم بمواشيهم وأمتعهم حتى سمع أهل السماء نباح كلابهم ثم أكفأهم۔

''جبریلؑ نے قوم لوط کو گھروں، صحنوں، جانوروں اور ساز و سامان سمیت اُٹھا لیا۔ یہاں تک اہل آسمان نے ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازوں کو سنا، پھر ان کو الٹا کر کے نیچے پھینک دیا۔ ''

مجاہد سے ہی مروی ایک دوسری روایت میں ہے :

فكان اوّل ما سقط منها أشرافها۔

"بستی والوں میں سے سب سے پہلے اشراف کو گرایا گیا۔"

امام مجاہد فرماتے ہیں :

"ان جیسا عذاب کسی قوم پر نازل نہیں ہوا۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے ان آنکھوں کو مسخ کیا، پھر ان کی بستی کو الٹایا اور آخر میں ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس بستی کے لوگوں کی تعداد چالیس لاکھ تھی۔"(18)

امام ابن کثیر قوم لوط پر نزولِ عذاب کے بارے میں سورۂ ہود کی آیت نمبر ۸۲ کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں :

امام قتادہ فرماتے ہیں :

"ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ سیدنا جبریلؑ نے درمیانی بستی کے کڑے کو پکڑ لیا اور اسے لے کر آسمان کی فضا کی طرف چڑھ گئے حتیٰ کہ آسمان والوں نے اُن کے کتوں کی آوازیں سنیں۔ پھر ان کو ایک دوسرے کے اوپر دے مارا۔ پھر قوم سے علیحدہ رہ جانے والوں کو پتھروں نے آن لیا۔"

مزید فرماتے ہیں کہ: وہ چار بستیاں تھیں اور ہر بستی میں ایک ایک لاکھ افراد رہتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ تین بستیاں تھیں اور ان میں سے بڑی بستی سدوم تھی۔ (19)

امام بغوی قوم لوط پر نزول عذاب کے بارے میں سورۂ ہود میں لکھتے ہیں :

اللہ کے قول(فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا)سے مراد عذاب ہے اور(جَعَلْنَا عَلِيَهَا سَافِلَهَا) کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا جبریلؑ نے قومِ لوط کی الٹائی کی بستیوں کے نیچے اپنا پر داخل کر دیا اور یہ کل پانچ بستیاں تھیں۔ جن میں چار لاکھ افراد رہتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چالیس افراد رہتے تھے۔ جبریلؑ ان تمام بستیوں کو اٹھا کر بلندی پر لے گئے۔ یہاں تک کہ آسمان والوں نے ان کے مرغوں کے چیخنے اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ نہ تو ان کا کوئی برتن اُلٹ کر گرا اور نہ ہی سونے والا متنبہ ہوا۔ پھر جبریلؑ نے ان بستیوں کو الٹا کر نیچے پھینک دیا۔(وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا) یعنی قوم سے علیحدہ رہنے والوں اور مسافروں پر پتھروں کی بارش برسائی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بستیاں الٹانے کے بعد ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ (20)

امام رازیؒ قوم لوط پر نزولِ عذاب کے بارے میں لکھتے ہیں :

"اللہ تعالیٰ کے اس قول(جَعَلْنَا عَلِيَهَا سَافِلَهَا) کی تفسیر میں مروی ہے کہ جبریلؑ نے اپنا ایک پر قوم لوط کی بستیوں کے نیچے داخل کر کے ان کو اکھاڑ لیا اور ان کو لے کر آسمان کی طرف چڑھ گئے یہاں تک کہ آسمان والوں نے ان کے گدھوں کے ھینگنے، ان کے کتوں کے بھونکنے اور ان کے مرغوں کے چیخنے

کی آوازیں سنیں۔ ان کا کوئی چھوٹا بڑا بھی الٹا نہ ہوا، پھر انہوں نے ایک ہی مرتبہ ان کو الٹا کر زمین پر دے مارا۔" (21)

امام زمخشری قوم لوط پر نزولِ عذاب کے بارے میں لکھتے ہیں :

"جبریلؑ نے اپنا پر ان بستیوں کے نیچے ڈال کر ان کو آسمان تک بلند کر دیا یہاں تک کہ اہل آسمان نے ان کے کتوں کے بھونکنے اور ان کے مرغوں کے چیخنے کی آوازیں سنیں۔ پھر ان کو الٹا دیا گیا اور ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی۔"(22)

امام ابن عطیہ قومِ لوط پر نزولِ عذاب کے بارے میں رقمطراز ہیں :

"مروی ہے کہ حضرت جبریلؑ نے قومِ لوط کی بستیوں کے نیچے اپنا پر داخل کر کے ان کو اکھاڑ لیا اور اوپر بلند کر دیا یہاں تک کہ آسمان دنیا والوں نے مرغوں کی چیخ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ پھر ان کو الٹا کر کے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ "(23)

مذکورہ بالا تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور مفسرین کے نزدیک قومِ لوط پر عذاب کی شکل یہ تھی کہ حضرت جبریلؑ اپنے پر سے ان کی بستیوں کو آسمان تک بلند کر کے نیچے الٹا دیا اور پھر ان پر پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ جس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

خلاصہ:

اس تمام تر بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ جناب حمید الدین فراہی کا نظمِ قرآن ایک نئی اور انفرادی سوچ کا مظہر ہے ۔بے شک قرآن مبارک الفاظ و معانی کا ایک بحرِ کراں ہے اور معانی کا عمیق سمندر ہے۔ اس میں ربطِ و نظم موجود ہے۔ اگر شانِ نزول اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے فرمودات کو مد نظر رکھا جائے تو نظمِ قرآن سے کلی طور پر اتفاق کیا جا سکتا ہے اور یہی جمہور علمائے کرام کی متفقہ رائے ہے۔ چوں کہ فراہی صاحب نے ایک نئی بات کی ہے جو کہ ان کی ذاتی رائے معلوم ہوتی ہے گو بظاہر یہ بڑی عقلی اور خوشنما بات لگتی ہے لیکن امت مسلمہ کی فکر اجتماعی نے اس کو من و عن قبول نہیں کیا۔

حوالہ جات

1۔ مقدمہ مجموعہ تفاسیر فراہی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 1991ء، ص:490

2۔ ابن جریر طبری، ابی جعفر، محمد، جامع البیان فی تاویل القرآن، دارالفکر، بیروت، 1308ھ، ج:12، ص:734

3۔ البغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل، دارالکتب العلمیۃ، بیروت الطبعۃ الاولیٰ، 1415ھ، 1995م، ج:6، ص:528

4۔ الزمخشری، الکشاف، ج:4، ص:519,520

5۔ الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، دارالکتب العلمیۃ، طہران، ج:32، ص:167

6۔ مقدمہ مجموعہ تفاسیر فراہی، ص257

7۔ الطبری، تفسیر طبری، ج:12، ص:443

8۔ الرازی، مفاتیح الغیب، ج:31، ص:54

9۔ مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:79

10۔ ایضاً، ص:102,103

11۔ مجموعہ تفاسیر فراہی، ص82:

12۔ الطبری، تفسیر طبری، ج:7، ص:37

13۔ الرازی، مفاتیح الغیب، ج:17، ص:225

14۔ فراہی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:132

15۔ الطبری، تفسیر طبری، ج:1، ص:315

16۔ البغوی، معالم التنزیل، ج:1، ص:78

17۔ فراہی، مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:129

18۔ الطبری، تفسیر طبری، ج:7، ص:95

19۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج:7، ص:459

20۔ البغوی، معالم التنزیل، ج:3، ص:323

21۔ الرازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب، ج:11، ص:37

22۔ زمخشری، تفسیر الکشاف، ج:2، ص:393

23۔ ابن عطیہ، المحرر الوجیز، ج:7، ص:369